© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اشارات

کچھ مدت سے اخبارات میں مسلسل یہ اطلاعات شائع ہو رہی ہیں کہ ہماری مجلس دستور ساز کی مقرر کردہ کمیٹیوں نے اپنا کام قریب قریب ختم کر لیا ہے اور اب ان کی رپورٹیں تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو سمجھنا چاہیے کہ دستور کا پورا خاکہ مکمل ہو کر عنقریب مجلس دستور ساز کے سامنے آنے والا ہے۔ اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ارکانِ مجلس دستور ساز کی خدمت میں ہم اپنے آخری مشورے پیش کر دیں، تاکہ ہم پر ایک مسلمان اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے خیر خواہانہ نصیحت کا جو حق عائد ہوتا ہے وہ ادا ہو جائے، اور کسی کو یہ شکایت بھی نہ رہے کہ وقت پر تعمیری مشورے تو دیئے نہیں جاتے مگر بعد میں تخریبی تنقید شروع کر دی جاتی ہے۔

سب سے پہلی چیز جو ہماری نگاہ میں اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مدت دراز کے بعد ہم کو ایک آزاد قوم ہونے کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کا جو موقع اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اس سے صحیح فائدہ اٹھا کر ہم اپنی ریاست کو ایک حقیقی اسلامی ریاست بنائیں۔ اس غرض کے لیے صرف اتنی بات کافی نہ ہوگی کہ دستور کے مقدمے (Preamble) میں قرار دادِ مقاصد کو شامل کر دیا جائے اس کے لیے یہ بات بھی کافی نہ ہوگی کہ دستور کی اصولی ہدایات (Directive Principles) میں اس مضمون کی کوئی دفعہ رکھ دی جائے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہ بنایا جائے گا۔ اس کے لیے علماء کی کوئی ایسی مجلس بنا دینا بھی کافی نہ ہوگا جو اختلاف کی صورت میں کسی قانون کے مطابقِ کتاب و سنت ہونے یا نہ ہونے کے متعلق پارلیمنٹ کو اپنا مشورہ (نہ کہ فیصلہ) دے۔ بلکہ اس کے لیے دستور میں اس مضمون کی ایک مستقل دفعہ بھی ہونی چاہیے کہ:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مجلس قانون ساز، خواہ مرکزی ہو یا صوبائی، کوئی ایسا قانون پاس کرنے کی مجاز نہ ہوگی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔"

نیز اس امر کی گنجائش بھی دستور ہی میں ہونی چاہیے کہ ہر شہری مجالس قانون ساز کے پاس کیے ہوئے قوانین کو سپریم کورٹ میں اس بنیاد پر چیلنج کر سکے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور اس لیے حدودِ دستور سے متجاوز ہیں۔

علاوہ بریں اصلی ہدایات میں حسب ذیل چیزیں شامل ہونی چاہئیں:

۱۔ ایک مقرر مدت کے اندر (جس کی مقدار دس سال سے زیادہ نہ ہو) تمام رائج الوقت قوانین کو اسلامی اصول و احکام کے مطابق ڈھال دیا جائے، یہاں تک کہ اس مملکت کے اندر کوئی ایسا قانون باقی نہ رہے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔

۲۔ تمام سرکاری ملازمتوں کی ٹریننگ میں، خواہ وہ صوبائی ہوں یا مرکزی، اور خواہ وہ فوجی ہوں یا سول، دینی تعلیم اور اسلامی معیار کے مطابق اخلاقی تربیت کو لازماً شامل کیا جائے، اور اس ٹریننگ سے ایسے تمام اجزا کو خارج کیا جائے جو اسلامی تعلیمات اور اصول اخلاق کے منافی ہوں۔

۳۔ حکومت کے تمام محکمے اس امر کے پابند کیے جائیں کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں مسلمان ملازموں کو اسلامی احکام کی پابندی کے لیے سہولتیں بہم پہنچائیں، اور شعائر و احکام اسلامی کی پابندی پر کسی قسم کی رکاوٹیں باقی نہ رہنے دیں۔

۴۔ حکومت کو اس امر کا بھی پابند کیا جائے کہ وہ منکرات کو مٹانے اور معروف کو فروغ دینے کے لیے کام کرے اور اس کے تمام شعبوں کی پالیسی، اپنے اپنے دائرۂ عمل میں، نہ صرف اسلامی احکام کی روح و شکل کے مطابق ہو، بلکہ اس کا نصب العین ہی اسلامی نظام حیات کی ترویج ہو۔

۵۔ نظام تعلیم میں ایسی اصلاحات کرنے کا بھی ریاست کو پابند کیا جائے جن سے آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت ٹھیک ٹھیک اسلامی نصب العین کے مطابق ہو سکے، اور ایسی تمام چیزوں کو تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تربیت سے خارج کیا جائے جو فکر و نظر یا اخلاق کے اعتبار سے اسلام کے خلاف ہوں۔

۶۔ حکومت کو اس امر کا بھی پابند کیا جائے کہ وہ ایک مقرر مدت کے اندر، جس کی مقدار دس سال سے زیادہ نہ ہو، ایسے انتظامات مکمل کرے جن سے وہ قانوناً اس امر کی ضامن ہو سکے کہ اس کے حدود مملکت میں کوئی شہری زندگی کی بنیادی ضروریات (غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم) سے محروم نہ رہنے پائے گا۔

دوسرا اہم ترین معاملہ ہمارے نزدیک شہریوں کے بنیادی حقوق کا ہے۔ ہم یہ بات صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ بنیادی حقوق کے متعلق مجلس دستور ساز کی مقرر کردہ کمیٹی نے جو رپورٹ ۱۹۵۰ء میں پیش کی تھی، اور جسے اسی زمانے میں منظور بھی کر لیا گیا تھا، وہ برسر اقتدار پارٹی کے بہت بُرے ارادوں کا پتہ دیتی ہے۔ اس موقف پر اگر مجلس دستور ساز قائم رہی تو اس کا نتیجہ کسی کے حق میں بھی اچھا نہ نکلے گا۔ اگر اس مملکت کو فی الواقع ایک پُرامن مملکت بنانا ہے، اور اسے آپس کی کشمکش کے بجائے باہمی اطمینان اور تعاون کی بنیاد پر تعمیر کرنا ہے، تو باشندوں کو اس امر کی دستوری ضمانت ملنی چاہیے کہ انہیں تحفظ جان و مال و آبرو، آزادیِ مذہب و مسلک، آزادی عبادت، آزادی ذات، آزادی اظہار رائے، آزادی نقل و حرکت، آزادیِ اجتماع، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی (Equality of Opportunities) اور رفاہی ادارات سے استفادے کے حقوق حاصل ہوں گے، اور ان حقوق میں سے کسی حق کو بھی کسی شہری سے اُس وقت تک سلب نہ کیا جا سکے گا جب تک کہ اس کا جرم معروف قانونی طریقوں سے کھلی عدالتوں میں ثابت نہ کر دیا جائے۔ اس ضمانت کے بغیر کوئی شخص بھی اپنے آپ کو اس مملکت میں ظلم سے محفوظ نہیں سمجھ سکتا، اور ظلم کا خطرہ لازماً وہ بے اطمینانی و بے اعتمادی پیدا کرتا ہے جس کے ہوتے حکومت اور شہریوں کے درمیان قلبی تعاون کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک جو لوگ دستور میں شہریوں کے بنیادی حقوق پر غیر منصفانہ چھاپہ مارنے کی گنجائشیں رکھنا چاہتے ہیں وہ پاکستان کے سخت بداندیش ہیں، اور شاید خود اپنے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی آئندہ نسلوں کے بھی خیر اندیش نہیں ہیں۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے سابق انگریزی حکومت، اور موجودہ بھارت کے دستور کی تقلید میں حبس امتناعی (Preventive Detention) کے جو اختیارات مرکز اور صوبوں کو دینے تجویز کیے تھے، ہم نے اس وقت بھی اُن کی سخت مخالفت کی تھی اور اب بھی پوری قوت کے ساتھ اس بات کو دُہراتے ہیں کہ یہ حبس امتناعی اصولِ قانونِ اسلام، اور اصولِ انصاف کے قطعی خلاف ہے۔ تاہم اگر ابھی تک ہمارے دستور سازوں کو اس تجویز پر اصرار ہو، تو ہم ان سے کہیں گے کہ حکومت کو حبس امتناعی کے اختیارات حسب ذیل شرائط کے بغیر ہرگز نہ دیے جانے چاہئیں:۔

۱- ایسے ہر قانون میں جو حبس امتناعی کے دستوری اختیارات کی بنیاد پر بنایا جائے، خواہ وہ آرڈی ننس ہو یا اسے مجلس قانون ساز بنائے، اُن جرائم کو وضاحت کے ساتھ بیان ہونا چاہیے جنہیں روکنا مقصود ہے۔

۲- ہر شخص جسے اس قانون کے تحت گرفتار کیا جائے، گرفتاری کے بعد پندرہ روز کے اندر اندر کسی ملکی عدالت کے سامنے پیش کیا جائے اور اُس پر ایک متعین الزام لگایا جائے کہ وہ کیا جُرم کرنا چاہتا تھا، یا کس جُرم کا اس سے اندیشہ تھا۔

۳- انتظامیہ کو کوئی ایسی شہادت چھپانے کا حق نہ ہونا چاہیے جسے الزام کی صحت و عدمِ صحت کا فیصلہ کرنے کے لیے عدالت طلب کرنا ضروری سمجھے۔ محض انتظامیہ کا اطمینان کسی حالت میں ملزم کو محبوس رکھنے کے لیے کافی نہ ہونا چاہیے۔ حبس صرف اسی صورت میں جاری رہنا چاہیے جبکہ عدالت الزام کی صحت پر مطمئن ہو۔

۴- ملزم کو صفائی کا پورا موقع دیا جانا چاہیے۔

۵- حبس کی مدت مقرر کرنا عدالت کا کام ہو نہ کہ انتظامیہ کا۔

۶- اس امر کی کوئی گنجائش نہ ہونی چاہیے کہ کسی شخص کی مدتِ حبس میں بار بار اضافہ کیا جا سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاید کوئی بڑا ہی سخت کمینہ انسان تھا جس کو سب سے پہلے اپنے سیاسی مخالفوں سے انتقام لینے کا یہ ذلیل طریقہ سوجھا کہ ان کو چھ مہینے کے لیے نظر بند کیا جائے اور پھر عین اُس روز جبکہ وہ اور ان کے بال بچے ان کی رہائی کے متوقع ہوں، ان کی نظر بندی میں پھر چھ مہینے کی توسیع کر دی جائے۔ ہماری دستور ساز اسمبلی کے ارکان اگر اس طریقے میں کوئی کمینہ پن محسوس نہیں کرتے تو بعید نہیں کہ کسی وقت ان کو خود بھی اس شریفانہ طریقے کا مزا چکھنے کا موقع نصیب ہو جائے۔

اضطراری حالت (Emergency) کے اصطلاحی لفظ کو قریب کے زمانے میں جس بے شرمی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، اور جس طرح اضطرار کے بہانے سے جابرانہ قوانین بنا کر ان کو برسرِ اقتدار پارٹی نے اپنی سیاسی اغراض کے لیے اپنے مخالفین پر استعمال کیا ہے، اس کا ہمیں نہایت تلخ تجربہ ہے۔ اس لیے ہم کسی قیمت پر بھی یہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ملک کے آئندہ دستور میں بنیادی حقوق کی ضمانت کو، یا ہیبس کارپس کے حق کو کسی وقت معطل کر دینے کی گنجائش رکھی جائے۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز گوارا کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ جنگ، یا اندرونی بغاوت کی صورت میں اگر کسی شخص پر غدر، یا سازش، یا مسلح انقلاب کی کوشش کا الزام ہو، تو عدالت اس کا مقدمہ صرف بند کمرے ہی میں سننے کی پابند کر دی جائے۔ لیکن مقدمہ چلائے بغیر یونہی کسی شہری کو پکڑ کر سزا دے ڈالنے کا اختیار کسی حالت میں بھی انتظامیہ کو نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک ایسی ناجائز تجویز ہے جس کی ہم آخر وقت تک مزاحمت کریں گے۔

حکومت کی طرف سے بالعموم یہ کہا جاتا ہے کہ اگر "انتشار پسندوں" اور "تخریبی کارروائیاں کرنے والوں" اور "دشمنوں سے سازباز کرنے والوں" کے مقدمات عدالت میں لائے جائیں تو اس سے بعض ایسے راز فاش ہو جانے کا خطرہ ہے جن سے پاکستان کے دشمن فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر قطع نظر اس سے کہ حکومت یہ الزامات آج تک کیسے لوگوں پر لگاتی رہی ہے اور اس میں کس قدر صریح جھوٹ سے کام لیا گیا ہے، ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ جو راز پولیس اور سی آئی ڈی اور ہوم ڈیپارٹمنٹ کے علم میں آنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باوجود دشمنوں کو نہیں پہنچتے، وہ آخر عدالتوں کے علم میں آتے ہی دشمنوں تک کیسے پہنچ جائیں گے ؟ کیا یہاں عدالت کی کرسیوں پر سب جاسوس اور غدار ہی بیٹھے ہیں جو ملک کے راز ملک کے دشمنوں کو پہنچانے پر تلے ہوتے ہیں ؟ اور کیا اب یہاں صرف پولیس اور سی آئی ڈی ہی ایک قابلِ اعتماد رہ گئی ہے ؟

تیسرا اہم مسئلہ عدلیہ کا ہے جس کے آزاد اور غیر جانبدار رہنے پر مملکت کے امن اور باشندگانِ مملکت کے اطمینان کا انحصار ہے۔ جس ملک میں عدالتیں انصاف کرنے کے لیے آزاد نہ ہوں، اور جہاں با اقتدار لوگ انصاف پر اثر انداز ہو سکتے ہوں، وہاں عام باشندے کبھی اپنے حقوق کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتے، حالانکہ باشندوں کا اطمینان ہی وہ بنیاد ہے جس پر ایک مستحکم مملکت کی عمارت قائم ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا عدلیہ کی آزادی و غیر جانبداری کو محفوظ کرنے کے لیے، نیز انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے، حسب ذیل چیزیں نہایت ضروری ہیں جنہیں بے لاگ طریقے سے دستور میں شامل ہونا چاہیے۔

۱- یہ اصول اسی وقت طے کر دیا جائے کہ انتظامیہ کو عدلیہ سے قطعی طور پر الگ کر دیا جائیگا۔ اس پر عملدرآمد شروع ہونے کے لیے نفاذِ دستور کے بعد ایک مہلت (مثلاً تین یا چار سال کی) دی جا سکتی ہے، مگر بہرحال اس مدتِ مقررہ کے بعد ہماری مملکت میں یہ ممکن نہ رہنا چاہیے کہ کبھی انتظامی اور عدالتی اختیارات ایک ہی عہدے میں جمع ہو جائیں۔

۲- یہ بات بھی طے کر دی جائے کہ تمام ماتحت عدالتیں انتظامی حیثیت سے ہائی کورٹ کے ماتحت ہونگی اور ججوں اور منصفوں اور مجسٹریٹوں کے تقرر، برطرفی، تنزل اور ترقی کے معاملہ میں حکومت کے شعبۂ انتظام کا کوئی دخل نہ ہوگا۔

۳- عدالتوں کو اس امر کا غیر مشروط حق ہونا چاہیے کہ وہ انصاف کے لیے جس شہادت کا طلب کرنا ضروری سمجھیں اسے طلب کر سکیں، اور حکومت سمیت کسی کو بھی عدالت سے کسی قسم کی شہادت چھپانے کا حق نہ ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ لیجسلیچر، یا حکومت، یا صدر مملکت، کسی کو بھی یہ حق نہ ہونا چاہیے کہ وہ عدالت کو کسی مقدمے یا کسی نوعیت کے مقدمات کی سماعت خفیہ طریقے سے کرنے، یا بعض اجزاء مقدمہ کو مخفی رکھنے کا پابند کریں۔ اخفاء اور عدم اخفا کے معاملے کو عدالت کے اختیار تمیزی پر چھوڑنا چاہیے۔

۵۔ یہ اصول بھی دستور میں ثبت ہونا چاہیے کہ حکومت اور وزراء اور حکام اور عوام سب کے انصاف طلب معاملات عام ملکی عدالتوں ہی کے سامنے آئیں گے، اور کسی حکومت یا لیجسلیچر کو یہ حق نہ ہو گا کہ وہ کسی معاملے میں مخصوص عدالت (Special Tribunal) قائم کرے۔ ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ اگر خود ضرورت سمجھیں تو کسی خاص مقدمے کے لیے خاص عدالت مقرر کر سکتے ہیں۔ اس اصول سے انتخابی عدالتوں (Election Tribunal) کے معاملے کو بھی مستثنیٰ نہ ہونا چاہیے۔

۶۔ سپریم کورٹ کے ابتدائی اختیار سماعت (Original Jurisdiction) میں یہ چیز بھی شامل ہونی چاہیے کہ ہر شہری اس کے سامنے مجالس قانون ساز کے پاس کیے ہوئے قوانین کو اس بنیاد پر چیلنج کر سکے کہ وہ حدودِ دستور سے متجاوز ہیں۔

۷۔ حکومت یا اس کے افسروں کے خلاف عدالتوں سے براہِ راست دادرسی طلب کرنے کا حق باشندوں کو ملنا چاہیے اور اس راستے سے وہ تمام رکاوٹیں دور ہو جانی چاہئیں جو انگریزی دور میں صرف اس غرض کے لیے عائد کی گئی تھیں کہ ایک اجنبی حکومت ایک محکوم قوم کے آدمیوں کو دبا کر رکھنے کے لیے انتظامی افسروں کو ظلم کی چھوٹ دینا چاہتی تھی۔

۸۔ یہ اصول بھی طے ہونا چاہیے کہ توہینِ عدالت کے کسی مقدمے کی سماعت وہی عدالت کرنے کی مجاز نہ ہو گی جس کی توہین کی گئی ہو، الّا یہ کہ توہین کی نوعیت عمومی ہو۔

۹۔ کورٹ فیس کو از روئے دستور منسوخ کر دیا جائے۔ عدالت کو انصاف کی دوکان بنانا ایک ایسا گھناؤنا فعل ہے جس کا خیال تک کبھی مسلمانوں کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ بلکہ شاید سابق متحدہ ہندوستان کی برطانوی حکومت کے سوا دنیا کی کسی حکومت نے بھی آج تک یہ طریقہ اختیار نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے کہ عدالت کو ایک خود کفیل ادارہ بنایا جائے اور اس کے مصارف کورٹ فیس لے کر پورے کیے جائیں۔ یہ بے شرمی انگریزوں ہی کو زیب دیتی تھی کہ وہ اپنے محکوموں کو فیس کے بغیر انصاف نہ دیں۔ اب آزادی کے بعد ہمیں دورِ غلامی کی اس شرمناک میراث سے چمٹے نہ رہنا چاہیے۔ انصاف ایک مقدس و محترم فرض ہے جو ریاست پر عائد ہوتا ہے، اور اس کے لیے فیس وصول کرنا منصب عدل کے وقار اور مقتضیاتِ عدل کے بالکل خلاف ہے۔

چوتھا اہم مسئلہ ہمارے نزدیک انتخابات اور مجالس قانون ساز کی ترکیب اور ان کے اختیارات کا ہے جس پر اس ملک میں صحیح جمہوریت کے قیام اور نشوونما کا انحصار ہے۔ اس سلسلہ میں جن باتوں کی طرف ہم خاص طور پر ارکانِ مجلس دستور ساز کو توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہیں:-

۱- دستور میں صرف یہی بات بیان کر دینا کافی نہیں ہے کہ کون لوگ منتخب کیے جانے کے اہل ہو سکتے ہیں اور کون نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کے ساتھ ان اخلاقی اور ذہنی اوصاف کو بھی بیان کرنا چاہیے جو ارکانِ مجلسِ قانون ساز میں مطلوب ہیں۔ اگرچہ ان اوصاف کی آئینی حیثیت یہ نہیں ہو سکتی کہ ان کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کوئی ریٹرننگ افسر یا کوئی عدالت کر سکے، لیکن یہ رائے دہندوں کے لیے ایک اصولی ہدایت کا کام ضرور دیں گے، اور اگر ہر انتخابِ عام کے موقع پر صدرِ حکومت کے اعلان میں ان اوصاف کو دہرایا جاتا رہے تو باشندگانِ ملک کو اس سے مفید رہنمائی حاصل ہوگی۔

۲- انتخابات میں امیدواری کے طریقے کو ازروئے دستور بند ہونا چاہیے۔ ہماری قومی زندگی کو خراب کرنے میں جن اسباب نے سب سے زیادہ کام کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے ہاں تمام ذمہ داری کے مناصب پر جاہ طلب لوگ فائز ہوا کرتے ہیں۔ اس خرابی کے سدِباب کے لیے ہمیں رکنیت مجالس قانون ساز کے لیے ایسے سب لوگوں کو نااہل قرار دینا چاہیے جو خود امیدوار بن کر اٹھیں۔

۳- یہ طریقہ بھی بند ہونا چاہیے کہ کسی حلقۂ انتخاب سے اگر کوئی ایک ہی شخص کھڑا ہو تو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپسے آپ اُس حلقے کا نمائندہ قرار پائے۔ یہ طریقہ عقل اور انصاف کے خلاف بھی ہے اور اس سے بہت سی خرابیوں کا دروازہ بھی کھلتا ہے۔ جہاں ایسی صورت پیش آئے وہاں صرف "ہاں" اور "نہیں" کی بنیاد پر ووٹ لیے جائیں، اور اگر "نہیں" کے ووٹ زیادہ ہوں، تو ایسے حلقے کا نمائندگی سے محروم رہنا اس سے بدرجہا زیادہ بہتر ہے کہ کوئی غیر نمائندہ شخص خواہ مخواہ اس کا نمائندہ ٹھیرے۔

۴۔ مجالس قانون ساز کو انتخاب کے لیے ایسے قواعد و قوانین پاس کرنے کا مجاز نہ ہونا چاہیے جو انتخاب کی آزادی و غیر جانبداری پر اثر انداز ہوتے ہوں یا صریح طور پر کسی ایک پارٹی کے مفاد میں ہوں۔

۵۔ انتخابات کے انتظام کی ذمہ داری جس ادارے یا محکمے یا کمیشن کے سپرد کی جائے اسے از روئے دستور اس امر کا پابند ہونا چاہیے کہ وہ اپنے فرائض غیر جانبداری کے ساتھ انجام دے، اور ہر شہری کو یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ اس ادارے یا اس کے کسی افسر کے خلاف اس بنیاد پر عدالت میں دعویٰ دائر کر سکے کہ اس نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں شدید غفلت، یا بددیانتی یا جانبداری سے کام لیا ہے

۶۔ عورتوں کے حق رائے دہی کو سردست ایک مدت کے لیے کسی تعلیمی معیار سے مشروط ہونا چاہیے حق رائے دہندگی بالغان کے اصول پر ان کو ووٹ کا حق دینا اس وقت سخت نامناسب اور ملک کے لیے نقصان دہ ہے۔

۷۔ مجالس قانون ساز کی رکنیت کا حق عورتوں کو دینا مغربی قوموں کی اندھی نقالی ہے۔ اسلام کے اصول اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔ اسلام میں سیاست اور انتظام ملکی کی ذمہ داری صرف مردوں پر ڈالی گئی ہے، اور یہ فرائض عورتوں کے دائرہ عمل سے خارج ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کا ایک الگ ایوان بنا دیا جائے جس کی رکن صرف عورتیں ہوں اور وہ عورتوں ہی کے ووٹوں سے منتخب ہوں۔ اس ایوان کے سپرد وہ معاملات کیے جائیں جو صرف عورتوں سے متعلق ہوں، نیز اسے عام ملکی معاملات کے متعلق اظہار رائے کا حق بھی دیا جائے۔

۸۔ مجالس قانون ساز کی رکنیت کے لیے اگر ایسے لوگوں کو نااہل قرار دیا جائے جو برے رویے (Misconduct) کی بنا پر سرکاری ملازمت سے برخاست کیے گئے ہوں تو اس کی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشریح ہونی چاہیے کہ "بڑے روپیے" سے مراد کیا ہے۔

ان اصولی باتوں کے علاوہ ہم پورے زور کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کریں گے کہ جس طرح ملک کی دوسری غیر مسلم اقلیتوں کے لیے جداگانہ انتخاب اور بلحاظِ آبادی نشستوں کا تعین تجویز کیا گیا ہے، اسی طرح قادیانیوں کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ پاکستان کے مسلمان بالاتفاق یہ کہہ چکے ہیں کہ قادیانی اُن میں سے نہیں ہیں۔ ان کا ایک الگ امت ہونا اب کوئی ایسا مسئلہ نہیں رہا جس پر مسلمانوں میں کوئی اختلاف پایا جاتا ہو۔ چند مغرب زدہ اصحاب اور دینی حِس سے عاری لوگوں کو چھوڑ کر، پوری مسلم قوم اس معاملے میں اپنی رائے ظاہر کر چکی ہے۔ لہٰذا اب ارکانِ مجلس دستور ساز کے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ وہ ایک ایسے گروہ کو زبردستی مسلم قوم کا ایک جز بنانے پر اصرار کریں جسے یہ قوم اپنا جز نہیں مانتی۔ اس معاملے میں قادیانیوں کے راضی ہونے یا نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ وہ خود عملاً اُن تمام شرائط کو پورا کر چکے ہیں جو کسی گروہ کو ایک امت سے الگ کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک وہ سب مسلمان، جو مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کو نہیں مانتے، کافر ہیں۔ ان کے ہاں مسلمان کو بیٹی دینا حرام ہے۔ ان کی نماز مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہوتی۔ وہ مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنے کو بھی جائز نہیں سمجھتے۔ ایک نئی نبوت نے ان کو اور مسلمانوں کو اس طرح جدا کر دیا ہے کہ نہ عقیدہ ان دونوں گروہوں کو جمع کرتا ہے، نہ عبادت، اور نہ کسی قسم کا معاشرتی رشتہ۔ بجز ناموں کی یکسانی کے، اور کوئی چیز بھی اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان وجہ اشتراک نہیں رہی ہے۔ اور بات صرف یہیں تک نہیں رہی، بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی ایسی تنظیم کر لی ہے جو ہر شعبۂ زندگی میں مسلمانوں کے اجتماعی مفاد سے متصادم ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت بننے پر راضی نہیں ہیں، تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس طرح وہ اُن ناجائز فائدوں سے محروم ہو جاتے ہیں جو انہیں اپنی الگ تنظیم کے ساتھ مسلمانوں میں شامل رہنے سے پہنچ رہے ہیں۔ گویا وہ بیک وقت ایک جداگانہ قوم ہونے کا فائدہ بھی اٹھانا چاہتے ہیں اور مسلم قوم کے ایک جُز بنے رہنے کا فائدہ بھی۔ سوال یہ ہے کہ آخر کس حق یا انصاف کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنا پر مجلس دستور ساز اس جعل اور فریب میں اُن کے ساتھ ایک فریق بننا پسند کرتی ہے؟

انتظامیہ کے اختیارات کا مسئلہ بھی دستور کے بنیادی مسائل میں سے ہے، اور اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر انتظامی اختیارات کو صحیح حدود میں نہ رکھا جائے تو دستور کے دوسرے تمام اجزا کی خوبیاں بھی ضائع ہو سکتی ہیں۔ اس معاملہ میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اپنی سابق رپورٹ میں جو غلطیاں کی تھیں انہیں ابھی ہم بھولے نہیں ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ارکان مجلس دستور ساز نے اب ان غلطیوں کو محسوس کر لیا ہے یا نہیں، اور اگر محسوس کر لیا ہے تو تازہ تجاویز میں کہاں تک ان کی اصلاح ہو گئی ہے بہر حال ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ چند اصولی باتیں اس سلسلے میں بھی پوری وضاحت کے ساتھ عرض کر دیں۔

۱۔ رئیس مملکت کو کسی حال میں یہ حق نہ ہونا چاہیے کہ وہ دستور کو معطل کر سکے۔ ایسے اختیارات اکثر ممالک کے حق میں سخت نامبارک ثابت ہو چکے ہیں، اور ہم بھی ان سے کسی خیر کی توقع نہیں رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی چیز گوارا کی جا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ غیر معمولی حالات میں (جنہیں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے) رئیس مملکت کسی صوبے کا دستور معطل کر دینے کا مجاز ہو۔ لیکن پوری مملکت کے دستور کو معطل کر دینا تو ایسا اختیار ہے جو سیدھا ڈکٹیٹر شپ کا راستہ کھول دیتا ہے۔

۲۔ رئیس مملکت سمیت حکومت کے کسی عہدہ دار کو بھی عدالت کی دست رس سے بالاتر نہ ہونا چاہیے۔ نہ صرف ذاتی حیثیت میں، بلکہ اپنی سرکاری حیثیت میں بھی اگر وہ اپنی طاقت کو بے جا استعمال کریں تو لوگوں کو ان کے خلاف عدالتوں سے چارہ جوئی کرنے کا آزادانہ حق ہونا چاہیے۔ کوئی وجہ نہیں کہ محض ناروا استغاثوں کے اندیشے کو بہانہ بنا کر اصحاب اقتدار کو خلق خدا پر درازدستیاں کرنے کی چھوٹ دے دی جائے اور محکوم لوگ، جو پہلے ہی بہت کچھ دبے ہوئے ہوتے ہیں، کوئی دروازہ بھی ایسا نہ پائیں جسے وہ ان کے مقابلے میں انصاف حاصل کرنے کے لیے کھٹکھٹا سکتے ہوں۔ اگر ناروا استغاثوں سے منتظمین حکومت کو بچانا ہی مقصود ہے، تو اس کے لیے دوسری تدبیریں اختیار کی جا سکتی ہیں تاکہ لوگ خواہ مخواہ جھوٹے دعوے دائر کر کے منتظمین حکومت کو پریشان نہ کریں۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے خود دعویٰ اور استغاثہ کرنے کا حق ایک ایسا حق ہے جو ایک اسلامی مملکت میں خلیفہ تو درکنار، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں بھی ہر مسلم اور ذمی کو حاصل رہا ہے، اور یہ حق ہمارے دستور میں ہر شہری کا ضرور ملنا چاہیے۔

۳- رئیس مملکت کو رحم کے اختیارات (Powers of Clemency) بھی نہیں ملنے چاہئیں- ایک اسلامی حکومت میں خلیفہ یا امیر کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ مجرموں کو عدالت کی دی ہوئی سزا سے محض رحم کی بنا پر معاف کر دیا کرے- یہ اختیارات تو بادشاہوں نے شانِ خدائی دکھانے کے لیے اپنے ہاتھ میں رکھے تھے تاکہ اَنَا اُحْیِ وَاُمِیْت کا دعویٰ کر سکیں- ایک اسلامی نظام میں ایسے اختیارات کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے- البتہ رئیس مملکت اس امر کا مجاز ضرور ہے کہ سیاسی جرائم یا انتظامی سزاؤں کو مصالح عامّہ کی خاطر معاف کر دے، یا اگر کسی کو سزائے موت دینے میں بے انصافی کی گئی ہو تو اس سزا کو کسی دوسری سزا سے، بربنائے عدل نہ کہ بربنائے رحم، تبدیل کر دے- ان مقاصد کے لیے رئیس مملکت کو مشورہ دینے کی خاطر کوئی مجلس عدل بنا دی جائے تو زیادہ مناسب ہے-

---

اس کے علاوہ دو نکات اور بھی ہیں جن پر ہم زور دینا ضروری سمجھتے ہیں-

اوّل یہ کہ ریاستوں کو دستوری حیثیت سے لازماً پاکستان کے دوسرے صوبوں کے مماثل ہونا چاہیے- یہ بات کسی طرح گوارا نہیں کی جا سکتی کہ اس مملکت کے کسی حصے میں کسی حکمران کو خدائی یا نیم خدائی کے وہ اختیارات حاصل رہیں جو والیانِ ریاست کو اب تک حاصل رہے ہیں- ذیسول کا یہ استبداد اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا چاہیے اور دستور میں واضح طور پر یہ طے کر دینا چاہیے کہ تمام ریاستوں میں ویسی ہی حکومت قائم ہو گی جیسی پاکستان کے دوسرے صوبوں میں ہو گی-

دوم یہ کہ دستور کی ترمیم کے معاملے میں دو الگ طریقِ کار اختیار کیے جانے چاہئیں- دستور کے جو اجزاء بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی ترمیم کو تو زیادہ سے زیادہ مشکل بنایا جائے، تاکہ ریاست کی نوعیت بدل دینا آسان نہ رہے- مگر باقی ماندہ دستور کی ترمیم کے لیے ایک آسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقہ تجویز کیا جائے تاکہ ہماری اپنی ڈالی ہوئی رکاوٹیں آئندہ خود ہمارے ہی لیے زنجیر پا نہ بن جائیں اور دستور میں ایسی اصلاحات بسہولت ہوتی رہیں جن کی تجربے سے ضرورت محسوس ہو۔ اب رہا یہ سوال کہ دستور کے کونسے اجزاء بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور کونسے نہیں رکھتے، تو اس کے متعلق کوئی اظہار رائے اُس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک دستور کا پورا خاکہ سامنے نہ آ جائے۔

دستوری تجاویز

برائے ارکان مجلس دستور ساز پاکستان

از

سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان

یہ دستوری تجاویز جو اس پرچے میں شائع ہو رہی ہیں الگ پمفلٹ (جو وقتی) کی صورت میں بھی شائع کی گئی ہیں تاکہ ارکان مجلس دستور ساز، صوبائی اسمبلیوں کے ارکان، وزراء، حکام عدالت، وکلاء، سرکاری افسروں اور عام تعلیم یافتہ لوگوں تک ان کو با آسانی پہنچایا جا سکے۔

اشاعت کی آسانی کی خاطر ایک نسخے کی قیمت ایک آنہ اور بیس نسخوں کی قیمت ایک روپیہ رکھی گئی ہے جو اصحاب ان تجاویز کو پھیلانے میں حصہ لینا چاہیں وہ جلدی سے جلدی اپنی فرمائش بھیج دیں۔ یہ پمفلٹ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں مل سکتا ہے۔

مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان، اچھرہ لاہور پاکستان

© rasailojaraid.com